ISSN: 2583-8784 (Online)

اردو اسٹڈیز
URDU STUDIES
Vol 3 Issue 1 October 2023

Pages 52-56
www.urdustudies.in
Included in
UGC-CARE List

Shafiq Fatima Sh'era
Waheed Akhtar

گوشۂ شفیق فاطمہ شِعریٰ

شفیق فاطمہ شعریٰ

وحید اختر

چند برس پہلے میں یونیورسٹی کے شعری مقابلے میں حکم تھا اور میرے ساتھ ایک بزرگ بھی یہ فرض انجام دے رہے تھے۔ نتیجہ کا اعلان ہوا تو میری توقع کے خلاف پہلا انعام ایک لڑکی کو ملا۔ میں نے اُن بزگوار سے پوچھا ''یہ کیا؟'' تو جواب ملا ''میاں! میں تو صورت دیکھ کر ہی پچاس نمبر دے دیتا ہوں۔'' یہی رواداری عام طور پر مدیرانِ کرام بھی برتتے ہیں۔ وہ صرف نام دیکھ کر پچاس فیصد سے زائد نمبر دے دیتے ہیں۔ ہمارے پسماندہ ملک میں جہاں عورت تعلیم، سیاست، ادب اور سائنس کے میدان میں کافی آگے بڑھ چکی ہے، اس کے باوجود وہ اب تک بہت پیچھے بھی ہے، اس لیے یہ رواداری اگر خلافِ انصاف نہ ہو تو خوش آئند بھی ہے۔ پھر بھی جب میں افسانہ شاعری یا کسی اور میدان میں یہ سنتا ہوں کہ فلاں صاحبہ خواتین میں بہت اچھا لکھتی ہیں تو میں یہ سوچتا ہوں کہ آخر اس تفریق کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی خاتون مردوں سے بھی اچھا لکھ سکتی ہے، اردو افسانے میں

عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، جلانی بانو اور واجدہ تبسم اور کتنے ہی ایسے نام ہیں جن پر مردوں کو بھی رشک آسکتا ہے۔ البتہ زمین شعر اس پہلو سے ہمیشہ بنجر ہی رہی ہے۔ جن خواتین شعرا کے نام غزل میں نظر بھی آتے ہیں وہ ”زیب داستاں“ ہی کے لیے گنے جاسکتے ہیں ورنہ آنکھوں کی تقدیر حسرت ہی ہے! اس کا سبب شاید بقول جگر، یہی ہے کہ ”عورت شعر کہنے کے لیے نہیں شعر کا موضوع اور مخاطب بننے کے لیے ہے۔“لیکن میری نظر میں اس کی اور وجہ بھی ہے اور وہ ہے غزل۔ غزل کی روایتی حد بندیاں، عورت تو عورت، مرد کو بھی اس بری طرح جکڑ لیتی ہیں کہ جب تک ضرورت سے زیادہ کس بل نہ ہو اونچی اڑان کی گنجائش ہی نہیں۔ اگر اس صنف سخن میں عورت اپنے لیے مذکر ضمیریں استعمال کر کے مخاطب یا محبوب سے بات کرے تو وہ شاعری کو صرف منہ چڑا سکتی ہے۔ شاعری کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ خدا بھلا کرے نظم کے رواج کا کہ یہاں وہ حد بندیاں اتنی سخت نہیں اور جو ہیں بھی وہ توڑی جا سکتی ہیں، اس لیے اس میدان میں ایک نام ابھر کر سامنے آیا ہے جو اپنے معاصر شاعروں سے کسی طرح کم نمائندہ نہیں اور وہ نام ہے شفیق فاطمہ شعریٰ کا!

شعریٰ سے پہلی دفعہ اس وقت واقف ہوا جب حیدرآباد کے پولیس ایکشن سے پہلے بہت سے خوش عقیدہ حضرات حیدرآباد کو اپنا آخری ملجا وماویٰ سمجھ کر یہاں مہاجر کی حیثیت سے آرہے تھے۔ اسی انبوہ میں شعریٰ کا گھرانہ بھی اورنگ آباد میں آکر مقیم ہوا اور اتفاق سے انھیں ہمارے ہی پڑوس میں گھر ملا۔ اس گھر میں جہاں لڑکیوں کی کثرت تھی، معلوم ہوا کہ ایک صاحبہ شاعری سے شغل بھی کرتی ہیں۔ پھر ایک دن میری والدہ نے ایک بیاض لا کر دی اور کہا کہ ”شفو نے اقبال کی 'پیامِ مشرق' کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے، ذرا دیکھ لو۔“ یہ ترجمہ دیکھنے کے بعد ملنے کا اشتیاق ہوا۔ اس وقت تک شعریٰ صرف عربی فارسی ہی کی ”عالم“ تھیں، انگریزی سیکھنا چاہ رہی تھیں۔ یہ بات بھی ہوئی کہ میں انھیں انگریزی پڑھاؤں اور وہ میری فارسی قابلیت کے اضافے میں میری مدد کریں۔ مگر یہ اسکیم پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی، کیوں کہ اس وقت ان کے گھر کا ماحول باوجود تمام بہنوں کے باغیانہ خیالات کے ان کے والد صاحب کی وجہ سے سخت مذہبی اور قدامت پسند تھا۔ میں انٹر کر کے حیدرآباد آ گیا۔ اس دوران میں شعریٰ پتہ نہیں کیا کرتی رہیں۔ جب دو سال بعد چھٹیوں میں ایک مرتبہ گھر گیا تو معلوم ہوا کہ شعریٰ

نے بجائے منظوم ترجموں کے اب خود نظمیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔ یہ نظمیں دیکھیں تو خوب تھیں، اب اتنا ہو چکا تھا شعریٰ مجھ سے ''پس پردہ'' بیٹھ کر گفتگو کر لیتی تھیں۔ پھر ''شاہراہ'' میں ان کی نظمیں دیکھیں اور جب ظ۔ انصاری ''آئینہ'' کی ادارت میں آئے تو آئینہ میں ان کا طوطی بولنے لگا۔ ظ۔ انصاری نے کھل کر شعریٰ کی تعریف کی اور انھیں اردو کے ادبی حلقوں میں بڑی بڑی تعریفوں کے ساتھ روشناس کرایا۔ ظ۔ انصاری ماسکو گئے اور شعریٰ کے کلام کی اشاعت بھی ایک دم رک گئی۔ کبھی کبھی وہ ''صبا'' کے لیے بڑے اصرار کے ساتھ کچھ بھیج دیتی تھیں اور اب ''سوغات'' میں بھی ان کی نظمیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ پاکستان کے رسائل کو وہ نظمیں اس لیے نہیں بھیجتیں کہ وہ کہتی ہیں ''ہم اپنی شہرت اور مقام کے حصول کے لیے پاکستان کے رسالوں سے کیوں بھیک مانگیں، اگر ہمارا وطن ہم کو شاعری میں وہ مقام نہیں دلا سکتا تو ہم اس وقت کا انتظار کر سکتے ہیں جب ہندوستان سے بھی اردو کے ویسے ہی جریدے نکل سکیں جیسے پاکستان والے چھاپتے ہیں۔'' اس طرزِ فکر کی وجہ سے شعریٰ کی شہرت ہندوستان ہی کے ادبی حلقوں تک محدود رہی لیکن جس نے بھی ان کی نظمیں پڑھیں وہ ان کی انفرادیت، لب و لہجہ کے اچھوتے پن اور اسلوب کی نسائی خصوصیات کا قائل ضرور ہوا۔

جس شعریٰ نے آج سے آٹھ نو سال قبل ترجموں سے اپنی شاعری شروع کی تھی آج وہ بڑی حد تک اپنا الگ طرز بنا چکی ہے۔ اس وقت وہ فارسی عربی کے امتحانات دے رہی تھیں اور شاید بچپن ہی میں قرآن حفظ کرنے کی تھوڑی سی کوشش بھی کر چکی تھیں اور آج وہ بی اے کر چکی ہیں، اور رسمی پردہ بھی توڑ دیا ہے، شعریٰ اور ان کی بڑی بہنوں نے اپنے والد کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر اپنی ایک چھوٹی بہن کو میڈیکل کالج میں لڑکوں کے ساتھ داخلہ دلوانے کی ''جرات رندانہ'' کی تو وہ خفا ہو کر اپنے وطن (یوپی کا کوئی قصبہ) واپس چلے گئے اور اب شعریٰ اور ان کی بہنیں اپنی علم دوست، پڑھی لکھی اور روشن خیال ماں کی سرپرستی میں درس و تدریس کے ذریعہ پر سکون اور سیدھی سادی زندگی گزار رہی ہیں۔ وہ شاعروں، ادیبوں لیکچرس اور دوسرے پڑھے لکھے لوگوں سے ملتی اور بات بھی کرتی ہیں اور پردہ لگا کر ٹانگے میں اسکول پڑھانے بھی جاتی ہیں۔ اس تبدیلی کے باوجود وہ سو فیصد ہندوستانی متوسط مسلمان خاندان کی خالص مشرقی لڑکی ہی کے روپ میں رنگی ہوئی ہیں، محفلوں، جلسوں اور مشاعروں کے

ہنگاموں سے دور اپنے گھر بہنوں اور سہیلیوں ہی کی محفل میں "شانہ کشِ گیسوئے نظم اردو" ہیں۔ سادہ لوحی کا یہ عالم ہے کہ کچھ برس پہلے جب مار دھاڑ اور گڑبڑ شروع ہوئی تو اپنا سارا غیر مطبوعہ کلام، جو وافر مقدار میں ہے، ایک گھڑے میں رکھ کر زمین میں دفن کرنے کی اسکیم بناتی رہیں تا کہ اگر زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکے تب بھی دستبرد زمانہ سے محفوظ ہو جائے۔ ایک دفعہ اورنگ آباد کے کچھ لڑکوں نے بڑے پیمانے پر ایک اشاعتی ادارے کا پروگرام بنایا اور طے کیا کہ سب سے پہلے شعریٰ کا مجموعہ "سائیکلو اسٹائل" میں پندرہ بیس کی کثیر تعداد میں شائع کیا جائے تو موصوفہ خوشی خوشی رضامند ہو گئیں۔ اور آخر ہم لوگ بڑی مشکل سے انھیں "وعدہ شکنی" پر راضی کر سکے۔

جب پہلی مرتبہ شعریٰ نے اپنی زبان سے مجھے اپنی ایک نظم سنائی تو میں انگشت بدنداں رہ گیا کہ اتنی اچھی شاعرہ اور اتنی ڈھیٹ ہو کر ناموزوں نظم سنا رہی ہے! جب میں نے کاغذ لے کر خود نظم کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ نظم پوری وزن میں ہے، بیچاری نظم کا کوئی قصور نہیں، قصور شعریٰ کے پڑھنے اور نظم کی عربی بحر کا تھا۔ شعریٰ کو عربی اشعار اسی طرح یاد ہیں جس طرح ہم لوگوں کو اردو اور فارسی کے اشعار۔ ان پر عربی شاعری، اس کی روایات اور اوزان کا بھی بڑا اثر ہے، اسی لیے وہ بعض نامانوس عربی بحروں میں بھی بڑی کثرت سے لکھتی ہیں اور شعر پڑھنے کی اپنی اس خاص طرز کی وجہ سے، جو خود ان کی ایجاد ہے، سننے والے کو مبہوت کر دیتی ہیں اور وہ بیچارہ یہ سوچتا رہ جاتا ہے کہ ناموزوں اشعار کی داد دے یا ان پر اعتراض کرے!

شعریٰ کی نظموں میں وہ فضا ملتی ہے جس میں ہندوستان کا ماضی اور حال سانس لیتا محسوس ہوتا ہے۔ انھوں نے اردو کی کلاسیکی شاعری کی روایات سے استفادہ کیا ہو یا نہ ہو لیکن ہندوستانی تاریخ کی روایات سے بڑا گہرا اثر قبول کیا ہے۔ ایک طرف ان کے پاس 'سیتا' کی شخصیت علامت بن کر ابھرتی ہے تو دوسری طرف وہ خلد آباد کے کسی بلند چوٹی پر بنے ہوئے ایک مزار کو علامت بناتی ہیں۔ ایک طرف ایلورہ کی روایات کو حال کا آئینہ دکھلاتی ہیں تو دوسری طرف مغل عہد کی فصیل اورنگ آباد کو شعری جامہ عطا کرتی ہیں۔ اس تاریخی عنصر کے علاوہ شعریٰ کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا خالص نسائی لب و لہجہ ہے۔ وہ عورتوں کے مسائل، ان کے جذبات کی ترجمانی خالص عورتوں کے سے انداز

میں کرتی ہیں۔ یہ بات اردو شاعری کی پوری تاریخ میں کہیں نظر نہ آئے گی۔ مرد شاعروں کی بوالہوسی نے ریختی کی ایجاد اپنے ادنیٰ جذبات کی تفریحی تسکین کے لیے کی تھی، اس لیے اس صنف نے عورتوں کی صنف کہلاتے ہوئے بھی عورت کے مقام اور مرتبے کے ساتھ سب سے زیادہ ظلم کیا تھا۔ شعریٰ نے آج کی پڑھی لکھی باشعور، آزاد اور سماج میں محترم اور ذمہ دار حیثیت رکھنے والی عورت کو اپنی نظموں میں اس طرح پیش کیا ہے، جیسی وہ ہے۔ یہاں نہ عقیدت و پرستش کے وہ ہالے ہیں جو اردو کی عشقیہ شاعری نے عورت کے اطراف بنائے ہیں، نہ سطحی اور ادنیٰ طرزِ سخن کی وہ گندگی جو اس نے عورت کے تصور کے اطراف پھیلا رکھی ہے۔ اس شاعری میں ہندوستانی گھرانوں کی عورت جیتی جاگتی، ہنستی روتی، نفرت اور محبت کرتی، خدمت اور ایثار کے تمام تر جذبات کے ساتھ نظر آتی ہے۔ یہی شعریٰ کی انفرادیت بھی ہے اور خصوصیت بھی جو انھیں نہ صرف دوسری ”خواتین شعرا“ سے ممتاز کرتی ہے بلکہ معاصر شعرا میں بھی نمایاں کرتی ہے۔

شعریٰ کی شاعری ان کی شخصیت کی طرح ہی سیدھی سادی اور تصنع سے پاک ہے مگر تاثر اور شدتِ احساس کے ساتھ ساتھ انفرادی فکر کے شراروں سے بھرپور۔ وہ لڑکی جو اپنے گھر میں دوسری بہنوں کے مقابلے میں پھوہڑ اور بد ذوق سمجھی جاتی ہے اپنا سارا سلیقہ نفاست پسندی اور ذوقِ الفاظ و معانی کے ان حسین گلدستوں کے بنانے میں صرف کرتی ہے جنھیں ہم آپ شعریٰ کی نظمیں کہتے ہیں۔ شعریٰ کے لااُبالی انداز اور خود اپنی شاعری کی طرف سے لاپرواہی کا نتیجہ ہے کہ انھیں وہ شہرت نہیں ملی، جو ملنی چاہیے تھی۔ لیکن خود انھیں اس کا کوئی زیادہ غم بھی نہیں اس لیے کہ شہرت شاعری اور فن کے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔ فن شہرت کی تلاش میں مارا مارا نہیں پھرتا! یہی کیا کم ہے کہ آج ہندوستان اور پاکستان کی شاعرات میں وہی ایک ہیں جن کا نام پورے اعتماد کے ساتھ اچھے سے اچھے ہم عمر مرد شاعر کے ساتھ لیا جاسکتا ہے!

(صبا، مارچ، ۱۹۶۰ء)